حدیث-۶

طاقتور مومن کی فضیلت

عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: المومن القوی خيرواحب الی اللّٰه من المومن الضعيف وفی كل خير، احرص علی ما ينفعك، واستعن باللّٰه ولا تعجز، وان اصابك شیء فلاتقل لوانی فعلت كان كذا وكذا، ولكن قدراللّٰه وماشاء فعل، فان لو تفتح عمل الشيطان (صحیح مسلم: کتاب القدر (شرح نووی ج ۱۶ ص ۲۱۵۔ ابن ماجہ۔ المقدمہ ۱۰)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: قوی مومن بہتر ہے اور اللہ کو کمزور مومن سے قوی مومن زیادہ محبوب ہے۔ (اس سے اسلام کی زیادہ خدمت ہوسکتی ہے) اور دونوں میں خیر ہے۔ ہر اس نیکی پر لالچ کرو جو تم کو نفع پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو اور عاجز نہ ہو۔ اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ یہ کرتا تو یہ ہوتا بلکہ یہ کہو کہ اللہ نے جو چاہا مقدر کر دیا۔ لفظ ''اگر'' شیطانی وساوس کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''

اسلام کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ باطل کے مقابلے میں وہ پیہم جدوجہد کی دعوت دیتا ہے، جو ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ.

(الانفال: ۳۹)

''اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد) باقی نہ رہے اور دین

سب خدا ہی کا ہو جائے۔''

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: مجھے لوگوں سے قتال کا حکم ہے تا آنکہ وہ (کلمہ توحید کا اقرار کرلیں) کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جب وہ اس کلمے کا اقرار کرلیں گے تو مجھ سے اپنے جان و مال کو محفوظ کرلیں گے سوائے (اس کے کہ جہاں اسلام جان و مال کو خرچ کرنے کا حکم دے) اس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا۔ (شرح نووی: ج ا ص ۴۰۶)

دین اسلام کا یہ مزاج ہے کہ وہ اپنے پیروؤں کے لئے کسی بھی حال میں گھٹیا پن اور ذلت و کمزوری کو نہیں پسند کرتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ. (المنافقون:۸)

''حالانکہ عزت خدا کی ہے اور اس کے رسول ﷺ کی اور کومنوں کی۔''

لہذا جہاد مومنین کے لئے جنت کا راستہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا سبب قرار پایا، مجاہد کو جنت اور آخرت کی نعمت و راحت کی بشارت سنائی گئی۔ جہاد کا چھوڑنا اور اس سے بیٹھ رہنا ذلت و رسوائی کا سبب بنتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو۔ (بلکہ) اس سے اللہ تعالیٰ کی عافیت طلب کرو۔ لیکن جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو ہی جائے تو جم کر لڑو اور یاد رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ (شرح نووی: ج ۱۲ ص ۴۵)

حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو جہاد کی ایسی تربیت دی کہ ان کے دلوں میں جہاد کا شوق پیدا ہو گیا، ان کے سینے شوق جہاد سے بھر گئے، دلوں میں جہاد ہی کا سودا سمایا رہنے لگا۔ چنانچہ انھوں نے اعلان حق کیا، نیکیوں کا حکم دیا، برائیوں سے روکا، لوگوں میں عدل و انصاف قائم کیا اور حدیث کے مطلب کو کہ ''جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔'' اچھی طرح سمجھا۔

یہ حدیث قصر جہاد کی وہ اینٹ ہے جس کے سائے میں صحابہ کرام نے تربیت پائی اور آپ ﷺ کے ارشاد کہ ''طاقتور بندۂ مومن کمزور بندۂ مومن سے افضل ہے۔'' کی فضا میں پروان چڑھے۔

امام نووی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہاں قوت سے مراد آخرت کے لیے

جان ودل سے تیار رہنا ہے۔جس بندۂ مومن میں یہ صفت پائے جائے گی وہ دشمن کے مقابلے میں نکلنے اور جہاد کرنے کے لئے پروانہ وار بڑھنے میں پیش پیش ہوگا،اس کے اندر نیکیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کا شوقِ فراواں ہوگا اور وہ اس راہ کی ہر مشکل وتکلیف کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں خوشی خوشی برداشت کرے گا اور وہ نماز روزہ کی ادائی اور ذکر خداوندی میں رطب اللسان رہنے میں نہایت چاق چوبند اور سرشار وسرمست ہوگا،اسی طرح دوسرے احکام شریعت کا وہ پابند وشیدائی ہوگا۔(شرح نووی:ج۱۶ص۲۱۵)

جو شخص آپ ﷺ کی سیرت کا بہ نظر غائر مطالعہ کرے گا اس کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ آپ ﷺ مجاہدانہ زندگی گزارنے پر زور دیتے تھے۔ہجرت کے بعد آپ کے وقت کا بیشتر حصہ اللہ کی راہ میں غزوات وسرایا میں صرف ہوا۔اوران غزوات وسرایا کے درمیان آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کی ہمہ جہت تربیت فرماتے تھے۔ارشاد ربانی ہے:

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ (النساء:۷۴)

''تو جولوگ آخرت (کو خریدتے اور اس) کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچنا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ خدا کی راہ میں جنگ کریں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (التوبہ:۴۱)

''تم سبک بار ہو یا گراں بار (مال واسباب تھوڑا رکھتے ہو یا بہت) گھروں سے نکل آؤ اور خدا کے راستے میں مال اور جان سے لڑو یہی تمھارے حق میں اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو۔''

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ زندگی کی تربیت طاقتور بندہ مومن کو ایک نئی طاقت عطا کرتی ہے اور اس کو فائدہ پہنچانے والی صلاحیتوں کو چار چاند لگا دیتی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ بذات خود مجاہد کے لئے قوت وجواں مردی میں بہترین نمونہ تھے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سب سے حسین، سب سے زیادہ سخی اور سب سے بڑھ کر جری و بہادر تھے۔ایک رات مدینہ کے لوگ گھبرا گئے سب پر خوف طاری ہوگیا۔آپ ﷺ حضرت طلحہ کے گھوڑے پر ننگی پیٹھ بلا زین کے سوار ہوکر اس سمت کو نکل پڑے جدھر سے آواز آئی تھی، دوسرے لوگ بھی نکلے تو دیکھا کہ حضور ﷺ سب سے پہلے اس سمت کو پہنچ چکے ہیں، جدھر سے آواز آئی تھی اور آواز کا سبب معلوم کیا۔(الفروسیۃ لابن القیم:۱۵۹)

حضور ﷺ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد مومن قوی اور شہ سواری وجواں مردی کی مثالیں اپنے ذاتی عمل سے پیش فرماتے رہتے تھے۔آپ ﷺ سے دوڑ کا مقابلہ بھی مذکور ہے۔ اونٹوں کی دوڑ کا مقابلہ بھی فرمایا۔آپ نے نیزہ بازی کا مقابلہ بھی دیکھا سنن ابی داؤد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے فرمایا: حضور ﷺ نے ہم سے دوڑ کا مقابلہ کیا میں آگے بڑھ گئی۔کچھ عرصے کے بعد جب میرا بدن بھاری ہوگیا تھا دوبارہ آپ نے دوڑ کا مقابلہ فرمایا اس مرتبہ میں پچھڑ گئی تو آپ نے فرمایا یہ پہلی مرتبہ میرے پیچھے رہ جانے کا بدلہ ہوگیا۔

اس طرح کی چیزوں سے حضور ﷺ مومن قوی کے مفہوم ومعنی کی اپنے قول وعمل سے وضاحت فرماتے رہتے تھے۔

حضرت رکانہ بن یزید نے جو بڑے قوی تھے اپنے اسلام لانے سے قبل مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ سے کہا کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں ایمان لاؤں گا۔کُشتی ہوئی اور حضور ﷺ نے رکانہ کو پچھاڑ دیا۔شکست کھا جانے کے بعد رکانہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جادوگر ہو۔ پھر بعد میں اسلام لائے۔(الفروسیۃ لابن القیم:ص ۸۷)

مختلف مواقع پر حضور ﷺ صحابہ کرامؓ کے اندر قوت وطاقت اور جہاد کی روح پھونکتے اور بیدار فرماتے رہتے تھے۔

بخاری شریف میں سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا بنو اسلم کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو بازار میں نیزہ بازی دکھا رہے تھے، آپ نے فرمایا: اے بنی اسماعیل تم تیراندازی کرو۔تمھارے باپ تیرانداز تھے چلو تیر چلاؤ میں فلاں جماعت کی ساتھ

ہوں۔ (الفروسیۃ لابن القیم: ص ۸۷)

صحابہ کرامؓ شہ سواری پسند فرماتے تھے اور نشاط وتوانائی پیدا کرنے کی فکر کرتے تھے اپنے جسم مبارک کو قوی بنانے کی مشقیں کرتے رہتے تھے، حضرت عقبہ بن عامر بڑھاپے میں بھی دونوں باتوں کی مشق کرتے تھے، آپ سے کہا گیا بڑھاپے میں یہ ورزش کر رہے ہیں، اس سے آپ کو تکلیف ہوگی، یہ سن کر انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہم نے حضور ﷺ سے ایک بات نہ سنی ہوتی تو ہم یہ تکلیف نہ اٹھاتے۔ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (الفروسیۃ لابن القیم: ص ۱۱۶)

اسلام طاقتور مسلمان کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس دین کا مزاج مجاہدانہ ہے۔ لہذا وہ عزت کا داعی ہے، وہ اس دین کی اشاعت کے لئے ضرورت پڑنے پر میدان کارزار کی طرف نکلنے کا داعی ہے کہ کمزور لوگوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر بندوں کے مالک کی عبادت کی طرف بلائے کہ لوگوں میں جوڑ پیدا کرے، دوستوں سے وعدے ہوں، دشمنوں سے معاہدے ہوں، اس کو عہد شکن دشمنوں کو نیچا دکھانے کے لئے قوت وطاقت کے اسباب کی بھی ضرورت ہے۔ اسی طرح دشمنوں کو نقصان کے علاوہ جن لوگوں سے خطرہ ہوسکتا ہے، ان کو ڈرانے اور ان پر دباؤ رکھنے کے لئے بھی قوت وطاقت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۔ (الانفال:۵۸)

''اور اگر تم کو کسی قوم سے دغابازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انھیں کی طرف پھینک دو۔ (اور) برابر (کا جواب دو) کچھ شک نہیں کہ خدا دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔''

اسلام عہد کو نباہنے کی تاکید کرتا ہے۔ جب فریق ثانی کی طرف سے خیانت وعہد شکنی دیکھتا ہے تو معاہدے کو علی الاعلان ختم کر دیتا ہے۔ اور عہد ختم ہونے کے بعد جنگ ضروری ہے۔ جو داؤں پیچ اختیار کرنے کی متقاضی ہے اور جنگ میں دشمن کو غلط فہمی میں ڈالنے والی چال اپنانے کی اجازت ہے۔ جنگ کے لئے قوت وطاقت کی تیاری بیدار مغزی اور ہمہ وقت چاق چوبند رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ مقابلے کے لیے تو ہر دشمن اپنا ساز وسامان تیار کرنا

ضروری سمجھتا ہے۔ جنگ کے موقعے پر دشمن کو غفلت میں رکھنے کی ہر چال درست ہے۔ اس کو دھوکا نہیں کہا جائے گا اور مومن قوی ہی ان تمام صورتوں میں اپنا رول اور کردار کر سکتا ہے۔

اسی لئے اسلام نے قوت کے مفہوم اور دائرہ کو وسیع معنی میں لیا ہے، جسم کی طاقت، مال کی طاقت، قلم کی طاقت، اسلاف نے مومن قوی کے معنی اسی طرح سمجھا اور سمجھایا ہے۔ لہذا اس اعتبار سے شہ سواری کی دو قسمیں ہیں۔ علم و قدرتِ کلام کی مہارت، یہ ایک قسم کی شہ سواری ہے علمی میدان کے لیے۔ نیزہ بازی و تیر اندازی شہ سواری ہے میدان جنگ کے لیے، چونکہ صحابہ کرامؓ ان دونوں میدانوں کے ماہر تھے، اس لئے قدرت کلام اور دلائل کے ذریعے ملکوں کو فتح کیا اور تلوار کے ذریعے ملکوں کو فتح کیا۔ ان دونوں قسموں کے لوگ ہی اسلام کے صحیح خادم ہیں ان دونوں کے علاوہ لوگ ان کے معاون و سہارا نہیں بلکہ وہ نوع انسانی پر بوجھ ہیں۔ (الفروسیۃ: ۱۵۷)

قرآن کریم مسلمانوں کو طاقت بڑھانے کی دعوت دیتا ہے۔ جسمانی طاقت کو بڑھانے والے اسباب اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ تاکہ جہاد کی صلاحیت پیدا ہو سکے ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔ (الانفال:۶۰)

''اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لئے مستعد رہو کہ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمھارے دشمنوں اور ان کے سوار اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جنتے اور خدا جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تو تم کو پورا پورا دیا جائے گا۔ اور تمھارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا۔''

مسلم شریف میں حضرت عقبہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ان (دشمن) کے لئے جو بھی طاقت پیدا کر سکتے ہو کرو۔ یاد رکھو تیر اندازی طاقت ہے۔

لہذا اپنی وسعت بھر تیاری کرنا فرض ہے جو فریضۂ جہاد کی ادائی کے لئے معاون ہے۔

قرآن ہر طرح کی طاقت اور وسائل واسباب کو تیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ لفظ ''قوۃ'' نکرہ استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں اس طرح کے لفظ کا استعمال وسعت وعموم کو بتانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ ''رباط الخیل'' کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا کہ قرآن کریم کے مخاطب اول اہل عرب کو گھوڑوں کی سواری اور ان کے پالنے میں خصوصی امتیاز حاصل تھا، اگر قرآن کریم ان کو ایسے اسباب تیار کرنے کا حکم دیتا، جن سے وہ اس وقت واقف نہیں تھے اور بعد میں وہ چیزیں وجود میں آسکتی تھیں تو ایسی صورت میں ان کو ناقابل فہم چیزوں کا حکم دیا جاتا۔

اصل چیز یہ ہے کہ ''رباط الخیل'' کا صحیح مفہوم سمجھا جائے جو حالات اور زمانے کی تبدیلی کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ اسلام کو طاقت کی ضرورت ہے جس کے ذریعے کمزوروں اور مظلوموں کو ظلم کی چکی میں پسنے سے بچائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۔ (النساء:۷۵)

''اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں ان کے بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا۔''

مفسر قرآن ابن کثیرؒ واعدوا لهم ماستطعتم کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مقابلے کے لئے اپنی قدرت بھر ہر قسم کے سامان جنگ کو تیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کو منبر پر آیت کریمہ واعدولهم ماستطعتم من قوة کی تلاوت کے بعد فرماتے ہوئے سنا، سن لو! تیراندازی قوت ہے۔ آیت کی تشریح میں آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ تیراندازی قوت ہے۔ اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ جہاد کی اہم خصوصیت دشمن کو شکست دینے کے لئے ہتھیار مارنا خواہ تیر کی شکل میں ہو یا بندوق، پستول اور آج کے دیگر جدید ہتھیاروں کی شکل میں۔ رمی یعنی پھینکنا اور چلانا سبھی

ہتھیاروں کے مفہوم پر مشتمل ہے جو طاقت کا اہم پہلو ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو صرف تیر اندازی سیکھنے ہی پر نہیں آمادہ کیا بلکہ عمل کو برابر جاری رکھنے کا حکم فرمایا۔

خالد بن ولید جہنی سے مروی ہے کہ عقبہ بن عامر جب ہمارے پاس سے گزرتے تو فرماتے خالد ہمارے ساتھ چلو تیر اندازی کریں، ایک دن میں نے ذرا دیر کر دی تو انھوں نے کہا خالد! آؤ ہم تم کو آپ ﷺ کی بتائی ہوئی ایک بات بتاتے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا تو انھوں نے کہا حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا، ایک تیر بنانے والے کو جو ثواب کی نیت اور دینی خدمت کے ارادے سے تیر بناتا ہے۔ اسی طرح اس کے چلانے والے کو اور تیر اٹھا اٹھا کر دینے والے کو، تم لوگ تیر اندازی اور شہسواری کی کوشش کرو۔ تمھاری تیر اندازی مجھ کو شہسواری سے بھی زیادہ پسند ہے۔ کھیل اور تفریح صرف تین چیزوں میں درست ہے، اپنے گھوڑے کو سکھانے اور تربیت کرنے میں دلچسپی، بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق اور تیسری چیز تیر اندازی۔ تیر اندازی سیکھنے کے بعد جو شخص اس کو ناپسندیدگی کی وجہ سے چھوڑ دے تو اس نے ایک نعمت کی ناشکری کا ارتکاب کیا۔ یا آپ نے یہ فرمایا کہ نعمت کا سرے سے انکار کر دیا۔ (سنن نسائی شرح السیوطی وحاشیہ السندی: ج ۶/ ۲۲۳)

یہ حدیث مدینہ منورہ کے اندر قائم ہونے والے ترقی پذیر معاشرے کی جیتی جاگتی تصویر ہے جو جہاد و غزوات کی فضا میں پروان چڑھ رہا تھا اور جس میں مجاہدانہ تربیت کا عمل برابر جاری تھا کہ آیت مبارکہ کے وسیع مفہوم میں جہاد کے اسباب اپنائے جائیں۔ معاشرہ اسی کی روشنی میں پروان چڑھے آیت کریمہ وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ جہاد کی علمی و عملی مشق کے مسلسل عمل کی دعوت دیتی ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا! جس شخص کا انتقال اس حال میں ہو کہ اس نے نہ جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں کبھی جہاد کا جذبہ پیدا ہوا۔ تو وہ نفاق کا اثر لے کر مرا۔

(سنن نسائی شرح السیوطی وحاشیہ السندی: ج ۶/ ۲۲۳)

حضرت نجیح سلمی سے مروی ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر پہونچایا اس کو جنت میں ایک درجہ حاصل ہو گیا اس دن ہم نے سولہ تیر

پہنچائے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر چلایا اس نے ایک بندۂ آزاد کو بے فکر اور آزاد کرنے کا ثواب حاصل کر لیا۔
(سنن نسائی شرح السیوطی وحاشیہ السندی: ج ۶/ ۲۲۳)

آپ ﷺ کا آیت پاک کی تشریح میں فرمانا کہ تیر اندازی قوت ہے۔ آپ کی معجز بیانی کی دلیل ہے کہ برسہابرس سے اس میں پیش آنے والی جنگوں میں استعمال ہونیوالے سبھی ہتھیار آجاتے ہیں کیونکہ رمی یعنی پھینکنے کا ہر عمل ہر ہتھیار میں پایا جاتا ہے۔ لہذا ہر ایسے ہتھیار کا بنانا اس کی مشق کرنا سب ''ان القوۃ الرمی'' میں آجاتا ہے۔ معرکہ آرائی اور جنگوں میں کامیابی کا یہ اہم جز ہے جو تیر اندازی سے شروع ہو کر دور مار راکٹ و بمباری جہازوں پر جا کر ختم ہوتا ہے جو سب کا سب رمی کے لفظ میں آجاتا ہے اور جنگ وجدال کے سبھی وسائل کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔

موجودہ زمانے میں اس مومن قوی کی کتنی سخت ضرورت ہے جو رمی کا ماہر ہو۔ امت آج اس مرد قوی کی کتنی محتاج ہے جس کا وہ سہارا لے اور جس سے اپنی قوت کو مضبوط کرے، اس کا ہاتھ پکڑے اور اس کے ذریعہ دشواریوں پر قابو پائے اور اس کے ذریعہ اپنے وہ وسائل تیار کر سکے جس کے ذریعے مشرق ومغرب کے کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو مصیبت سے نجات دلا سکے۔ اور ان کو مدد بہم پہونچا سکے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَالَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (النساء:۷۵)

''اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا، اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بے ہمتا پر ایمان ہی ہم کو ہر اعتبار سے قوت وطاقت کی جان

عطا کرتا ہے، لھذا مرد مومن اللہ کے سوا کسی اور کے فضل ونوازش کا امیدوار نہیں ہوتا اور اللہ کے سامنے کسی اور چیز کی کوئی پروا نہیں کرتا، اس ایمانی طاقت کی مثال حضرت خبیبؓ بن عدی کے قصے میں آئینہ کی طرح سے سامنے آجاتی ہے، کفار جب ان کو دار پر چڑھانے کے لئے لائے تو حضرت خبیبؓ نے کہا اگر تم مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دینا پسند کرو تو دے دو، میں دو رکعت پڑھ لوں، ان لوگوں نے نماز کی اجازت دے دی۔ حضرت خبیبؓ نے نہایت ہی خضوع وخشوع کے ساتھ دو رکعتیں ادا فرمائیں، نماز سے فارغ ہو کر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اگر مجھے اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ تم یہ خیال کرو گے کہ ہم نے قتل کے خوف سے نماز لمبی کر دی ہے تو میں نماز کی لذت میں دیر تک ڈوبا رہتا، اور اس کے بعد چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ ہے:

''مختلف قبائل و جماعتوں کے لوگ جمع ہو گئے ہیں اور وہ سب میرے قتل پر تلے ہوئے ہیں''

انھیں اشعار میں سے ذیل کے چند اشعار کا ترجمہ دیا جا رہا ہے جو ان کی قوت ایمانی کی صحیح اور سچی تصویر پیش کرتا ہے:

''وطن سے دور پردیس میں اپنی مصیبت و پریشانی اور دشمنوں کے اس جمگھٹے میں جہاں جان کے لالے پڑ گئے ہیں صرف اللہ سے فریاد کرتا ہوں، اور جو کچھ پیش آ رہا ہے اللہ ہی کی راہ میں پیش آ رہا ہے اور اگر وہ چاہے تو ہمارے جسم کے بکھرے ہوئے جوڑوں اور پاش پاش ٹکڑوں میں برکت دے دے جب میں اسلام کے نام پر قتل کیا جا رہا ہوں تو اس سعادت عظیمہ کے حصول پر مجھے ذرہ برابر پرواہ نہیں کہ اللہ کے نام پر مجھے کس پہلو گرایا جائے گا۔ (سیرۃ ابن ہشام، ج ۳، ۴، ص ۱۷۶)

بندۂ مومن کی طاقت کا یہ اعجاز ہے کہ وہ ہر حال میں حق گوئی سے کام لیتا ہے اور اسی پر قائم رہتا ہے، بندہ مومن کی قوت ایمان ہی کی یہ دین ہے کہ اس کو ہمیشہ ہمیش جنت میں رہنے کا یقین حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلہ پر راضی اور خوش رہتا ہے۔ اس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ جو کچھ پیش آ رہا ہے سب محبوب حقیقی کی طرف سے پیش آ رہا ہے، اس کی نگاہوں میں یہ ارشاد ربانی گھوم رہا ہوتا ہے:

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (التوبہ:۵۱)

بندہ مومن اس عقیدے پر مطمئن رہتا ہے کہ اس کا رزق متعین ہے، اس کی موت کا دن مقرر ہے۔ کسی اور کی یہ مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں رکاوٹ بن سکے، لہذا بندہ مومن حق گوئی ہی کو پورے اعتماد و وثوق کے ساتھ اپنا شعار بناتا ہے اور اپنے ہر قول و عمل میں حسن اخلاق کا لازوال نمونہ پیش کرتا ہے اور اپنے اس ایمانی کردار کی وجہ سے حرص و ہوس، بخیلی و بزدلی جیسی بری خصلتوں سے آزاد ہوتا ہے۔ اور اس کے اندر تمام ایمانی قدریں جمع ہو جاتی ہیں۔ یہ مومن قوی اپنے ایمان و عقیدہ، اپنے علم و یقین، جسم و جان، مجاہدانہ مشق و تربیت سب میں فائق ہوتا ہے۔ یہی راز ہے کمزور مومن سے اس کے افضل و بہتر ہونے کا۔ **اللھم اجعلنا منھم.**

آپ ﷺ نے مومن قوی کے مفہوم کی وضاحت ایک اور انداز سے فرمائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''دوسرے کو پچھاڑ دینے والا طاقتور نہیں، صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ پھر کون طاقتور ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! جو شخص غصے کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے وہ ہے طاقتور۔

(صحیح مسلم شرح نووی ج ۱۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان سارے ہی مفہوموں کے اعتبار سے مومن قوی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اس مومن سے جو کمزور ہو۔ لیکن حدیث کے الفاظ میں (وفی کل خیر) کلٌ (ہر ایک) کے لفظ کو نکرہ لانا اور تنوین لگانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ بھلائی دونوں ہی میں ہے۔ دونوں ہی صاحب ایمان ہیں اور کمزور مومن بھی اپنے ضعف کے ہوتے ہوئے بہت سے ان نیک کاموں میں مشغول ہوتا ہے جو قوی نہیں کرتا، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مومن جسمانی طور پر تو کمزور ہوتا ہے لیکن اس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ اس کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے۔ اس طرح سے کبھی وہ دیکھنے میں تو نحیف و کمزور ہوتا ہے لیکن فکری اور تحریری صلاحیت میں بہت فائق ہوتا ہے۔ جس سے دین کی خدمت کرتا ہے (اس کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں مروی ہے کہ علماء کے قلم کی روشنائی شہداء کے خون کے برابر ہوگی۔

حدیث پاک کے الفاظ (وفی کل خیر) ہر ایک میں بہتری ہے۔ خیر کے اسی مفہوم اور اسی طرح کے دوسرے معانی پر مشتمل ہیں۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ ''جس چیز سے تم کو نفع پہنچے اس کے جویا اور خواہاں رہو اور مدد اللہ سے چاہو، اس میں جلدی مچاؤ۔'' حریص بنو کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فضل کے طلب گار بنے رہو، اور اپنی اس طلب میں اللہ تعالیٰ ہی سے چاہو۔ عبادت و فضل خداوندی طلب کرنے میں کمزوری اور سستی نہ دکھاؤ۔ مومن قوی کی پہچان یہ ہے کہ اپنے فرائض وحقوق ادا کرنے میں چاق چوبند ہو، ادائے حقوق کی حرص اور اس کا شوق رکھتا ہو، اس لئے کہ شوق ورغبت کمزوری اور سستی کا مقابلہ کرتے ہیں، ان وسائل واسباب کو اپنانے کے بعد افسوس نہ کرے نہ شرمندہ ہو کہ شیطانی وساوس کا دروازہ کھل جائے اور کہے ''اگر میں نے کوشش کی ہوتی تو ایسا ہو جاتا ویسا ہو جاتا لیکن اللہ کی مرضی جو چاہا کیا۔'' ''اگر'' کہنا شیطان کے لئے دروازہ کول دیتا ہے (صحیح مسلم ج ۱۶/ص ۲۱۵)

قاضی عیاض نے اس سلسلے میں ذرا وضاحت کی ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ لفظ ''اگر'' کہنے کی یہ ممانعت اس شخص کے لئے ہے جو اس پر یقین کر کے کہے کہ اگر ایسا کیا ہوتا ایسا ضرور ہو جاتا۔ لیکن جو شخص اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر محمول کرتے ہوئے کہے اس کو وہی چیز پہنچ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر فرما دی ہے تو اس کا لفظ ''اگر'' کہنا اس میں نہ شمار ہوگا کہ اگر شیطان کے لئے دروازہ کھول دیتا ہے۔ حدیث کے الفاظ دنیا وآخرت دونوں قسم کی بھلائیوں پر مشتمل ہیں۔

اور نفع بخش امور دو طرح کے ہوتے ہیں۔ دینی اور دنیوی اور بندہ دونوں ہی کا محتاج ہے۔ بہر دو صورت بندے کی سعادت اور توفیق کا مدار نیک کاموں اور عبادت کے سلسلے میں اس کی کوششوں پر ہے جب کہ اپنی کوشش میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا بھی طالب ہو، حاصل یہ کہ جب بھی بندہ اس عمل کو اس قید استعانت کے ساتھ اپنائے گا اس میں اس کو کامیابی حاصل ہوگی اور اگر ان تین باتوں میں سے کسی بات کی کمی ہوگی تو وہ بھلائی سے محروم ہو جائے گا اور جو ان نفع بخش چیزوں کا حریص نہ ہوگا بلکہ سستی وکاہلی کا شکار ہوگا تو ناکام ونامراد رہے گا۔ (صحیح مسلم ج:۱۶ص ۲۱۵)

موجودہ حالات اور حدیث

(۱) مومن قوی کا مطلب ہے ایمان میں پختگی، بدن میں مضبوطی، اپنی سوچ اور فکر میں

بیدار مغزی، اسی طرح مالی طور پر خود کفیل بلکہ کفالت کرنے کی اہلیت رکھنے والا، عرض یہ کہ ہر اس صلاحیت واستعداد کو حاصل کرے جو امت مسلمہ کو فائدہ پہنچا سکے۔

(۲) حدیث سے مومن کی قوت کی پہچان یہ معلوم ہوئی کہ وہ ان وسائل کے حصول اور اس لئے ہمہ وقت متحرک اور چاق چوبند رہتا ہے جو ملک وملت کے لئے مفید ہوں۔

(۳) حدیث سے یہ بھی رہنمائی ملتی ہے کہ بندہ مومن کو بے کسی اور دوسروں کے سامنے کمزوری ظاہر کرنے سے بہت بلند رہنا چاہئے، اسی طرح اضمحلال و پژمردگی سے بھی دور رہنا چاہئے تاکہ اس کی زندگی بہادری و جواں مردی، زندگی و زندہ دلی کی جیتی جاگتی مثال ہو جسے دیکھ کر دوسرے بھائیوں کا بھی حوصلہ بڑھے۔

(۴) حدیث سے بندہ مومن کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی معلوم ہوئی کہ وہ ہر آن و ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی و مطمئن رہے۔

(۵) حدیث یہ بھی بتاتی ہے کہ اسباب و وسائل میں کوتاہی نہ کرنی چاہئے لیکن اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیصلہ ہو اس پر مطمئن و راضی رہنا چاہئے۔

(۶) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میدان جہاد کی طرف نکلنے سے پہلے اپنے نفس کے ساتھ جہاد اکبر کرے کہ اس میں کہیں سے شیطان کا دخل نہ ہونے پائے کہ اس کی خواہش و چاہت میں، شوق و رغبت میں اپنی ذاتی مصلحت، خاندان اور قوم وقبیلہ کے مفاد کا شیطانی وسوسہ شامل ہو، بس جو قدم بھی اٹھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کی نصرت کے لیے اٹھے۔

حدیث کا فقہی پہلو

حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قضا وقدر پر ایمان رکھنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ پر مخلوق کی تقدیر لکھ دی ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا اور اس کو لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے پوچھا کیا لکھوں؟ الہ رب العزت نے فرمایا، قیامت تک جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کو لکھو۔ انسان کو جو کچھ اچھا یا برا پیش آتا ہے، وہ اس سے بچ نہیں سکتا کہ پہلے سے طے شدہ ہے۔ اور جو چیز مقدر نہیں اچھی ہو یا بری وہ اس کو مل نہیں سکتی۔

تقدیر اللہ تعالیٰ کے تابع ہے اس نے جو چاہا لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ ماں کے پیٹ میں جب بچے کو پیدا فرماتا ہے تو اس میں روح پھونکنے سے پہلے اس کے پاس ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اور اس کو چار باتوں کا حکم دیتا ہے: اس کی روزی لکھ دو، اس کی موت لکھ دو، اس کا عمل لکھ دو، بد بخت یا خوش بخت لکھ دو۔

اس میں قوی وضعیف سب شامل ہیں قوی اور ضعیف کے اسی اشتباہ کی حضور ﷺ نے وضاحت فرمائی اور یہ فرمایا کہ دونوں میں خیر ہے۔

مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نافذ ہونے والے اس حکم میں اور اس کی قدرت قاہرہ میں ایمان ویقین بھی شامل ہے جو کہ اللہ نے چاہا وہ ہوا، اور جو نہ چاہا وہ نہیں ہوا۔ لہذا کسی بندۂ مومن کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ یہ کہے کہ اگر ایسا کیا ہوتا تو یہ ہو جاتا وہ ہو جاتا۔ اس لئے کہ زمین وآسمان کا وجود اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا۔ اور جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں پر قادر ہے جو وجود میں آ گئی ہیں ان پر بھی اور جو ابھی وجود میں نہیں آئی ہیں ان پر بھی۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۳/ ۱۴۸، ۱۴۹)

لَوْ یعنی ''اگر'' کا لفظ اپنے معنی میں بولنے والے کی نیت وارادے کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، کبھی وہ برے کام کی تمنا وآرزو کے لئے بولا جاتا ہے یہ بھی ناپسندیدہ ہے اور کبھی اچھی تمنا اور آرزو کے لئے بولا جاتا ہے۔ یا علم نافع کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تمنا کی یہ صورت پسندیدہ ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میں اپنے کام میں لگ جاتا تو پھر نہ چھوڑتا، ایسے پیش آنے والے معاملات جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔''